© rasailojaraid.com

افغانستان میں روسی جارحیت کا ایک سال

نعیم صدیقی

آج ۲۶ دسمبر ہے۔

افغانستانیوں پر روسی جارحیت کی تباہ کاریوں اور جواب میں افغان مجاہدین کے شاندار جہاد مقاومت کو ایک سال پورا ہو گیا ہے۔ آیئے اس پورے مسئلے پر نظر ڈالیں۔

افغانستان اسلام کے زیر نگیں آنے کے بعد سے اب تک کسی غیر قوم کا غلام نہیں ہوا۔ انگریزوں نے چڑھائیاں کیں اور کئی بار سازشوں سے بھی کام لیا مگر جب قدم آگے بڑھایا تو اپنی افواج کی تباہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہر دفعہ یہی تجربہ ہوا کہ اس پتھر کو جونک نہیں لگتی۔ حتیٰ کہ سرحدی علاقے کے قبائلیوں پر بھی تاخت و تاراج کا عمل کامیاب نہ ہو سکا۔ بمشکل خوانین اور سرداروں کو وظیفے دے کر اور بڑی بڑی رقوم قبائل میں تقسیم کر کے اتنا ہی فائدہ حاصل کیا جا سکا کہ آزاد علاقوں کے قبائل برطانوی علاقوں میں حملہ آور نہ ہوں۔ انگریز کو بھی اصل خطرہ روس سے تھا۔ دوسری طرف سے روس بھی اہل افغانستان اور خصوصاً اپنے قریب کے سرحدی علاقوں میں انگریزوں ہی کی طرح اثر و نفوذ بڑھانے کے لیے سرگرم رہا۔ دونوں ایک دوسرے کے علاقہ ہائے نفوذ میں بھی اپنے ایجنٹ چھوڑتے رہے اور ایک دوسرے کے اثر و نفوذ کی کاٹ کرنے کے لیے جوڑ توڑ بھی کرتے رہے۔ عملاً اس قضیے کا حل یہی چلا کہ نہ روس افغانستان پر تسلط جمانے کی کوشش کرے اور نہ برطانیہ کوئی ایسی کارروائی کرے بلکہ دونوں اس شرط پر افغانستان سے دوستانہ تعلقات رکھیں کہ افغانستان آزاد، خود مختار اور غیر جانبدار رہے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برطانیہ جب برصغیر سے رخصت ہوگیا تو حالات میں ایک اہم تبدیلی آگئی۔ مگر اس کے بعد بھی برطانیہ اور امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک نے افغانستان میں اپنا اتنا اثر برقرار رکھا کہ جس سے وہ خلاء پُر ہوتا رہا جو برصغیر سے برطانوی حکومت کا خاتمہ ہوجانے کے بعد پیدا ہوا۔ افغانستان کی آزادی وخودمختاری اور غیر جانب داری برقرار رہی۔ مگر افغانستان کا قریبی ہمسایہ ہونے کی وجہ سے روس کو اپنا اثر ونفوذ بڑھانے کا جو خصوصی موقع حاصل تھا، اس سے اس نے پورا فائدہ اٹھایا اور دوستانہ معاہدوں اور تعلقات کے پردے میں بڑی ماہرانہ منصوبہ بندی سے اس نے حکومت اور فوج اور تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ پر اپنی گرفت کو مضبوط کیا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سیاسی انقلابات کے ظہور اور حکومتوں کے بننے اور ٹوٹنے کا سررشتہ پوری طرح روس کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ظاہر شاہ کے دور سے جو روسی مداخلت شروع ہوئی وہ کھلی کھلی کمیونسٹ حکومتوں کے قیام پر منتج ہوئی۔ آخری مہرہ اس وقت ببرک کارمل اس شطرنج کا بادشاہ ہے۔

مسلسل تجربوں سے جب روس نے سمجھ لیا کہ اس کی قائم کردہ کٹھ پتلی قسم کی حکومتوں کو عوام کی تائید کے بجائے شدید قسم کی مزاحمت کا سامنا ہے تو اس نے جدید ترین بھاری اسلحہ کے ساتھ کثیر التعداد فوج داخل کردی۔ اکثر گمان کیا جاتا تھا اور خود روس کو بھی شاید یہی خیال ہو کہ افغانستان چھوٹا سا ملک ہے اور اس کے عوام اسلحہ کے لحاظ سے کمزور، تمدن کے لحاظ سے پس ماندہ اور تعلیمی لحاظ سے بے وزن ہیں لہٰذا افغانستان کی جنگ چار دن کا کھیل ہے۔ لیکن اس چھوٹے سے ملک کے اُمی اور نہتے عوام نے ایک عالمی قوت کی فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ روس اور دوسروں کا اندازہ یہ تھا کہ افغانستان میں مزاحمت کا انسداد ہفتے دو ہفتے میں نہ ہوا تو مہینے دو مہینے میں ہو جائے گا، مگر افغان مجاہدین نے تمام ٹائم ٹیبل غلط کر دیئے ہیں۔

سلہ روس کے اشارۂ ابرو سے قائم ہونے اور جلد جلد بدلتی حکومتوں کے بعد افغانستان میں اس کی فوج کے داخل ہو جانے پر مغربی قوتوں کو اپنے مفاد کی فکر ہوئی اور وہ بھونچکے ہو کر عجلت میں متفرق تدبیریں کرنے لگے۔ امریکہ نے مستقبل کی پیش بندیوں کے لیے سابق شاہ ایران کے ہاتھوں جنگی قوت کا جو بھاری مرکز ایران میں بنوایا تھا وہ امام خمینی کے برپا کردہ انقلاب کے نتیجے میں امریکہ کے ہاتھ سے نکل گیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روس کے ۸۵ ہزار[۱] فوجی افسروں اور سپاہیوں نے جدید ترین مشینی اسلحہ اور تباہ کار سامان کے ساتھ ایک کروڑ، ۴۶ لاکھ، ۸۳ ہزار پانچ سو نفوس کی آزاد مملکت پر حملہ کیا۔ یہ مختصر سی آبادی تعلیم، معیشت اور دفاع کے لحاظ سے روس کے مقابلے میں دسویں نمبر پر بھی نہیں آتی۔ مگر روس کو جو جواب ملا ہے وہ یہ ہے:۔

فوجی کارروائی کے بعد دس ماہ کے عرصے میں روس اور کارمل کے ۲۰ ہزار فوجی ہلاک ہوئے، آٹھ سو ٹینک، تین سو ہیلی کاپٹر اور بہت سی بکتر بند گاڑیاں تباہ ہو گئیں۔

آج بھی افغانستان کی سرزمین کا بڑا حصہ مجاہدین کے قبضے میں ہے۔ روسی جن شہری علاقوں کے "جزیروں" میں پڑے ہیں، وہاں بھی اُن پر بار بار اچانک حملے ہوتے ہیں، افسر مارے جاتے ہیں، کئی مرتبہ گولہ بارود کے ذخیروں کو آگ لگائی جا چکی ہے۔ سڑکیں روسیوں کے لیے محفوظ نہیں ہیں۔ کئی پل تباہ ہو چکے ہیں، ایک سے زیادہ بار گیس کی پائپ لائن اُڑائی جا چکی ہے، کابل کے اُس محفوظ علاقے پر بھی مجاہدین نے یلغار کی جو ٹینکوں کی آہنی فصیل سے گھرا رہتا ہے، کارمل کے محل کو آگ لگائی گئی۔ کابل کے شہریوں نے ہڑتال اور مظاہرے کیے۔ یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات نے جانیں خطرے میں ڈال کر روسی قبضے کے خلاف جلوس نکالے۔

مجاہدین کی تعداد ابتداء میں پچاس ہزار تھی۔ اب وہ بڑھ کر ایک لاکھ پچاس ہزار یا اس سے زائد ہے۔ تحریکِ جہاد کمزور ہونے کے بجائے مسلسل زور پکڑ رہی ہے۔ اب جہاد کو عوام نے طریقۂ زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کوئی متبادل صورت موجود نہ تھی۔ اس مقابلے میں امریکہ اور مغربی قوتوں کی ڈھیلو ڈھیلی کا دیوالیہ پن نمایاں ہو گیا۔ انہیں دس سال پہلے سے اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا ہو سکتا ہے اور کیا ہونے والا ہے، اور اس کے توڑ کے کیا انتظامات ہونے چاہئیں تھے۔ ضمناً یہ بھی مغربی قوتوں کی کوتاہی تدبیر کا ایک مظاہرہ ہے کہ انہیں ایرانی انقلاب کے بعد کوئی نئی صورت بروقت اختیار کرنے کا راستہ نہیں ملا۔ اب ایک طرف زیادہ تر انحصار خلیجی ریاستوں اور مصر پر کرنا پڑا اور دوسری طرف بھارت کے حق میں غلط بخشیاں ہو رہی ہیں۔

[۱] مسٹر حبیب احمد بلخی نے جو ۲۴ ستمبر کو ۲۵۰ ساتھیوں کے افغانستان سے فرار کر سکے، اپنے بیان میں بتایا کہ روسی فوج کے ساتھ کیوبا، ویت نام، جنوبی یمن اور چیکوسلواکیہ کے ماہرین کو جمع کیا جائے تو افغانستان کے خلاف محاذِ جارحیت ۲ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طور پر اپنا لیا ہے۔[۱]

میرا خیال تھا کہ اس موقع پر ان بہیمانہ حملوں اور مجرمانہ کارروائیوں کا ذکر کیا جائے جو روس نے افغان عوام کو گولیوں، بموں اور زہریلی گیسوں کا نشانہ بناتے ہوئے کی ہیں اور ان کی لپیٹ میں جنگ سے بے تعلق معذوروں اور بوڑھے افراد اور عورتوں اور بچوں کی کم سے کم ۵ لاکھ تعداد کو لیا ہے۔ بستیاں کی بستیاں تباہ کر دی ہیں۔ جنیوا کنونشن کے فیصلوں کو بری طرح پامال کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ لیکن فی الوقت اس پہلو سے تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔

اس وقت روس کو نظریاتی محاذ پر پہلی مرتبہ ایک بھرپور شکست ہوئی ہے۔ صدی کی تاریخ میں یہ بڑا عظیم واقعہ ہے۔ اسے انگریزی محاورے کے مطابق "انجام کا آغاز" (BEGINING OF THE END) کہنا چاہیے۔ بھاری بھرکم مست ہاتھی یوں تو گرتے گرتے گرے گا مگر یہ پہلا موقع ہے کہ اسے سونڈ پر کاری ضرب لگی ہے۔

اولین پہلو یہ ہے کہ روسی اشتراکیت کے ملحدانہ فلسفۂ مادیت کے لحاظ سے جو کچھ ہو رہا ہے سب مادے کا کھیل ہے اور مادی طاقت ہی کشمکش میں فیصلہ کن ہوتی ہے۔ اس فلسفے کو افغانستان میں فاتحِ بدرؐ کے پیروکاروں نے توڑ کے رکھ دیا ہے۔ انہوں نے یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ ایک کم تعداد اور مادی لحاظ سے کم تر یا فقیر اور کم بلکہ برائے نام ساز و سامان سے لیس متفرق رضاکار سپاہ محض اس بنا پر دنیا کی عظیم عسکری قوت کا منہ پھیر سکتی ہے کہ وہ ایمان اور غیرت کا غیر مادی جوہر رکھتی ہے۔ ایمان و غیرت کا جوہر نہ ہوتا تو افغانستان بھی ہنگری اور چیکوسلواکیہ کی طرح حریف کے ایک ہی ہلے میں سر جھکا دیتا۔ ثابت ہو گیا کہ انسان کے پاس مادی قوت سے زیادہ بڑی قوت بھی موجود ہے اور یہ جب کام کرتی ہے تو تھوڑی سی مادی قوت کئی گنا زیادہ اثر دکھاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں افغانستان کی جنگ مادے اور ایمان کی جنگ ہے۔ افغانستان نے جرأت و عزیمت کی ایک ایسی مثال قائم کر دی ہے جس کی وجہ سے روس کی وہ دہشت ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کوئی سامنے

---

[۱] ہر قبیلہ اپنے افراد کی ایک مقررہ تعداد کو برسرِ جہاد رکھتا ہے۔ تین تین ماہ بعد سابق گروپ کو واپس بلا کر نیا گروپ بھیج دیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھڑا ہونے کو تیار نہ تھا۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے جو روس کو پہنچا ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ ایک جگہ فتح بھی پالے تو بھی اب اُسے دُنیا میں جگہ جگہ مزاحمتیں پیش آئیں گی۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ پولینڈ کے مزدور ڈٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں اور انھوں نے بھی سوشلزم کے فلسفے کی اس بنیاد کو باطل کر دیا ہے کہ سوشلسٹ نظام میں مزدوروں کی حکومت ہوتی ہے یا اُن کی فلاح و بہبود کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یا وہ راضی خوشی اس نظام کی گاڑی کے قُلی بنتے ہیں۔[1]

دوسرا بڑا سانحہ شکست مارکسزم کمیونزم کو یہ پیش آیا ہے کہ اس کے پورے فلسفے کی بنیاد جن دعووں پہ ہے، اُن میں ایک ایسا دعویٰ یکسر ٹوٹ گیا ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اشتراکیت کے مادی نظریے کا ایک ستون چکنا چُور ہو چکا ہے۔

تصور یہ تھا کہ "مذہب ایک افیون ہے" یعنی وہ عملی قوتوں کو مفلوج کر دینے والا نظامِ اعتقادات و مرسومات ہے۔ مگر اِدھر عالمِ اسلام میں نصف صدی سے جو اسلامی تحریکیں جدید تمدنی و سماجی شعور کے ساتھ اسلام کے خدا پرستانہ نظامِ حیات کی دعوت لے کے اُٹھی تھیں۔ ان کی انقلابی رُوح اور ان کا مثبت انداز اقدام نظری طور پر اشتراکی فلسفے کا رد تھا۔ رُوس کے عین دروازے پر افغانی قوم مذہبی اسپرٹ کے ساتھ رُوس کے خلاف علمِ جہاد بلند کر کے کھڑی ہو گئی اور محض کھڑی ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس نے رُوس کے سرِ پُرغرور کو جھکا دیا۔ ساتھ ہی اسلامی رجحانات کے تحت ایران میں ایک ایسا انقلاب آیا جس کی لہریں بادشاہت کو بہالے گئیں۔ اس طرح نظری حقیقت عملی شکل میں سامنے آ گئی۔ یہ گویا اشتراکیت کے بنیادی فلسفے کا پہلا تنزلزل ہے جو حال کی تاریخ کے اسٹیج پر اقوامِ عالم کے فرد فرد کو دکھائی دیا ہے۔ تاریخ کی شہادت یہی ہے کہ باطل فلسفوں کی ایک بار جب بنیاد دہل جاتی ہے تو پھر آہستہ آہستہ عمارت کے ردّے گرنے لگتے ہیں۔ وقت آتا ہے کہ صرف ملبہ باقی رہ جاتا ہے۔

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ تمام ممالک جہاں کمیونسٹ حکومتیں قائم ہیں اُن کے مزدوروں اور کسانوں کی محنت سے اصل فائدہ رُوس ہی اُٹھاتا ہے۔ اُن کی سستی محنت سے زرعی خام اجناس بھی حاصل کی جاتی ہیں اور چھوٹے درجے کا صنعتی مال بھی اُن کے ذریعے ارزاں نرخوں پر لیا جاتا ہے۔ دوسری طرف سے روس کی قیمتی مصنوعات کے لیے کمیونسٹ ممالک بہترین منڈیاں ثابت ہوتے ہیں، بلکہ رُوس کے ماہرین کی گراں بہا خدمات کی فروخت کا بھی یہ بہترین دائرہ ہے۔ یعنی کمیونسٹ رُوس بھی ایک توسیع پسند سامراجی قوت ہے جو مغرب سے بھی زیادہ جبر کیش ہے۔

© rasailojaraid.com

ایک طرف روس کو نظریاتی محاذ پر اس شکست کا سامنا ہے۔ دوسری طرف عسکری محاذ پر بھی کوئی ایسی فتح حاصل نہیں ہوئی جس کی خوشی کے نشے میں نظریاتی شکست کے زخم کی ٹیسوں سے توجہ ہٹ جائے۔

پھر آس پاس کے علاقوں میں اسلام کے تحریکی ظہور کا اثر روس کے اُن علاقوں پر بھی پڑ رہا ہے جہاں خونریزی کر کے مسلمانوں کو تباہ کیا گیا تھا اور مسلسل کئی سال سے اُن کی برین واشنگ کر کے اُن کے ذہنوں میں ملحدانہ فکر کی پنیری لگائی گئی ہے۔ مسلم لیڈروں، مسلم اساتذہ، مسلم لٹریچر سے محروم علاقوں میں کروڑوں مسلمانوں کو اسلامی عبادات اور اسلامی کلچر سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ پھر بھی اسلام کی ایک روحِ بیتاب باقی ہے۔ جیسے کہ پاکستان کے ایک نوجوان دانشور اعجاز گیلانی نے سمرقند، بخارا اور تاشقند کے دورے کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ باوجود سرکاری نگرانی میں کسے ہونے کے، بہت سی باتیں جبر تیت کے پردوں سے چھن چھن کر سامنے آگئی ہیں، مثلاً بخارا کی ایک بزرگ خاتون کا یہ فقرہ کہ " ہم بھی مسلمان ہیں، مگر ہم پر کفار حکومت کر رہے ہیں" ان احساسات کی ترجمانی کرتا ہے جو بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں افغانستان میں مسلم نسل کے جو سپاہی لائے گئے تھے اُن کو امریکی اور چینی فوجوں کے خلاف لایا گیا تھا۔ مگر جب مقابل میں انہوں نے افغان مسلمانوں کو لڑتے دیکھا تو وہ ڈھیلے پڑ گئے۔ اُلٹا انہوں نے افغانستان میں قرآن شریف حاصل کیے۔ ایک تاجیک مسلم سپاہی نے تو فرار کر کے باہر پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ کہ مسلم فوجیوں کو واپس کر دیا گیا۔

تازہ ترین خبر یہ ہے کہ روسی صحافیوں کی ایک تعداد نے نہ صرف قبولِ اسلام (یا اظہارِ اسلام) کی جرأت کی بلکہ یہ مطالبہ بھی کیا کہ مسلم صحافیوں کو الگ منظم ہونے کی اجازت دی جائے، اس پر حکومت چوکنی ہو کر انہیں دبانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس طرح اسلام روس کے لیے ایک وجہ پریشانی بن رہا ہے۔

افغانستان کے ۹۹ فیصد مسلمان یوں تو اپنی جگہ اسلامی عقاید و عبادات اور معاشرتی آداب و شعائر پر قائم تھے، مگر اُن کی اسلامیت ایک متحرک تاریخی قوت کی حیثیت سے نمایاں نہ تھی۔ وہ قبائلی سطح سے آگے نہیں نکل رہے تھے۔ اس کے لیے مثبت تدبیر یہ ہو سکتی تھی کہ وہاں کوئی قوت اسلام کی دعوت و تعلیم کو انقلابی شعور کے ساتھ پھیلاتی اور ایک نئی اجتماعیت پیدا کرتی جو قبائلی عصبیتوں سے بالاتر ہوتی، افغانستان میں کام دوسرے راستے سے ہوا۔ یعنی مخالفِ اسلام تبدیلیوں نے افغانوں کے جذبۂ ایمانی کو بیدار کر دیا اور جب وقت کے چیلنج نے پکارا تو وہ جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی تحریک کا آغاز ظاہر شاہ کے دور میں ہوا ۔ مگر کس طرح ؟

ظاہر شاہ کو روسیوں نے آہستہ آہستہ اس حد تک آسیب زدہ کر دیا کہ فوج ، انتظامیہ تعلیمی اداروں میں روس کے ماہرین بھی آ آ کے شامل ہوتے رہے ۔ اور روس کے پروردہ کمیونسٹوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہر شعبے میں گھس گئی حتیٰ کہ ادب اور ذرائع ابلاغ پر بھی اس عنصر کا تسلط قائم ہوگیا ۔ پشتو اور فارسی ، دونوں زبانوں میں ادبی اور نشریاتی میدانوں میں یہی لوگ کام کرنے لگے ، روس کی خاص اپنی تعلیم گاہیں بھی قائم ہوگئیں ، اور افغان نوجوانوں کو روس کی یونیورسٹیوں میں لے جا کر تعلیم دلانے کا پروگرام بھی اختیار کیا گیا ۔ روسی ایڈ بھی آنے لگی ۔ اور سفارتی اور ثقافتی دوستی بھی نشوونما پا گئی ۔

۱۹۶۶ء میں ظاہر شاہ ہی کے دور میں ایسے " سرخ " حالات پیدا ہوگئے کہ کابل یونیورسٹی میں نماز ادا کرنا باعثِ عار سمجھنے لگا ۔ گویا ملحدانہ کمیونزم کی یلغار خطرے کے نشان سے آگے نکل آئی ۔ اس صورتِ حالات میں ایک طرف علماء تھے جن میں بے چینی تو موجود تھی اور وہ اپنے خطبوں میں اشارات و کنایات میں دل کا بخار بھی نکال لیتے لیکن اس سے آگے کوئی قدم اٹھانا ان کے بس میں نہ تھا ۔ عوام شعور و حرکت دلانے اور منظم کرنے والی کسی قیادت کے بغیر اپنا پارٹ ادا نہیں کر سکتے تھے ۔

اس موقع پر تحریکِ اسلامی کا پہلا سرچشمہ کابل یونیورسٹی ہی سے پھوٹا ۔ فیکلٹی آف شریعہ کے چیئرمین غلام محمد نیازی تھے ، جو بہ حیثیت استاد اپنی مشکلات کے باوجود طلبہ میں اسلامی روح پھونکنے کا کام کر رہے تھے ۔ ان کے زیرِ سایہ ایک نوجوان طالب علم عبدالرحیم نیازی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پابندیوں اور تشدد کے باوجود کھل کر اسلام کے لیے کام کیا ۔ اور متعدد نوجوان طلبہ اس کے گرد جمع ہوگئے جن میں سے بعض ~~میں~~ مدہ اصحاب موجودہ تحریک کی قیادت کر رہے ہیں ۔ اساتذہ میں سے سیاف اور ربانی بھی اسلامی تحریک سے متعلق تھے ۔ فیکلٹی کے چیئرمین غلام محمد نیازی کو حوالۂ زنداں کیا گیا اور انہیں جیل ہی میں شہید کر دیا گیا ۔ نوجوان طالب علم لیڈر عبدالرحیم نیازی کو شدید علالت کی حالت میں علاج کے لیے دہلی لایا گیا اور یہاں سے اس کی لاش واپس کی گئی ۔ حکومت کی طرف سے بتایا گیا کہ خون کا سرطان تھا ، مگر بعد میں یہ چہ میگوئیاں پھیل گئیں کہ عبدالرحیم کی شہادت زہر خورانی کے نتیجے میں ہوئی ہے ۔ اساتذہ میں سے مولوی عبدالرحمٰن بھی شہید کر دیے گئے ۔

عبدالرحیم نیازی کے بعد ۵ افراد کی ایک کمیٹی بنی ، جس نے سید قطب شہید اور مولانا مودودی کے لٹریچر کے بل پر تحریک کو آگے بڑھایا ۔ ان پانچ میں سے انجینئر حبیب الرحمٰن (جنھوں نے سردار داؤد کے زمانے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودیؒ سے ملاقات کی تھی) انجینئر سیف الدین، ڈاکٹر محمد عمر، عبد المقادر چار اصحاب کو ختم کر دیا گیا۔ صرف ایک پانچویں رکن گلبدین حکمت یار زندہ ہیں۔ یہ تمام کے تمام اُس زمانے میں طالب علم تھے۔

دوسری طرف نوجوان طلبہ کے حرکت میں آنے کی وجہ سے علماء کے گروپ نے بھی کروٹ لی ظاہر شاہ کے دور میں تو یہ دھیمے اور گھٹے ہوئے انداز سے کام کرتے رہے۔ مگر سردار داؤد کے زمانے میں کھل کر میدان میں آگئے۔

ایک راوی ثقہ نے مجھے بتایا کہ ظاہر شاہ کے آخری دور میں تحریک اسلامی کے ۲۵ نمائندوں کی ایک خفیہ میٹنگ کابل سے کچھ دور ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ حالات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اب ان میں سے صرف ۷ زندہ ہیں۔

بات کہیں سے کہیں نکل جائے گی یہاں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ مسلم نوجوان طلبہ کی تحریک نے کیمونزم کے خلاف اتنی بیزاری پیدا کر دی کہ ۱۹۷۲ء میں اسلام پسند نوجوانوں نے تعلیمی اداروں میں الیکشن جیت لیے حتیٰ کہ عین روسی پالی ٹیکنیکل یونیورسٹی میں روس کے صدر پوڈگورنی کے دورۂ کابل کے وقت آگاہ کر دیا گیا کہ وہ اس یونیورسٹی میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اس مختصر جائزہ احوال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ تحریک جہاد کا پس منظر کیا ہے اور اس کی جڑیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں۔

برزنیف صاحب نے بھی حالیہ دورۂ بھارت کے دوران میں یہ اقرار تو کر لیا کہ افغانستان میں حالات بہت خراب ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کہ چند ڈاکوؤں اور لٹیروں نے ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔ کیسے معقول ہو سکتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ اگر ایک ملک کے اکثر و بیشتر حصے میں روس اور اس کی فوج اور کارمل حکومت کے خلاف تند و تیز جذبات پھیلے ہوئے ہیں، جہاں کسی روسی کا داخل ہونا ممکن نہیں اور جہاں کرمل حکومت کا ذرہ بھر اثر نہیں۔ تو پھر اس ملک کے وہ کونسے عوام ہیں جنہوں نے آپ کو بلایا تھا یا جن کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے حکومت افغانستان نے آپکو دعوت تکلیف دی تھی؟

عوام میں سے ۱۳ لاکھ افراد پاکستان میں ترکِ وطن کر کے پڑے ہیں۔ ۲ لاکھ ایران میں ہیں۔ ۵ لاکھ افراد کو روسی کرمل کارروائیوں نے ختم کر دیا ہے (ایک دوسری رپورٹ کے لحاظ سے یہ تعداد دس لاکھ ہے) ۱۰ لاکھ مجاہدین برسر پیکار ہیں۔ یورپ، مشرق وسطیٰ، ہندوستان اور امریکہ میں پناہ گزین مہاجرین کی تعداد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ لاکھ ہے۔ اس تعداد کا ایک حصہ تعلیم اور ملازمت کے لئے پہلے سے باہر موجود تھا۔ اس طرح تقریباً کل آبادی میں سے شہید اسمیت ۲۲ لاکھ افراد تو صریحاً مخالف جانب کے ہوئے۔ باقی ۱½ کروڑ سے کچھ کم تعداد رہ جاتی ہے۔ اس تعداد میں سے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی تعداد الگ کر دی جائے تو مردانِ کار کا تناسب ۱/۵ ملحوظ رکھتے ہوئے کل تعداد ۲۸½ لاکھ سے قدرے زائد بنتی ہے۔ کیا آپ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ۲۸½ لاکھ عوام آپ کے ساتھ ہیں؟ ان ۲۸½ لاکھ میں سے اگر چوتھا حصہ بھی نام نہاد "ڈاکوؤں لیٹروں" کی صرف ۱½ لاکھ تعداد کے مقابلے پر آجاتا تو بغیر کسی خارجی سپاہ اور سامان کی مدد کے فقط ایک ہفتے میں سب کا صفایا کر سکتا ہے۔ اتنی بڑی تعداد (اور اس میں جوان عورتوں اور بوڑھوں بچوں کی جزوی مدد بھی شامل کی جا سکتی ہے) اگر "ڈاکوؤں لیٹروں" کو اپنی آبادیوں اور وادیوں یا پہاڑوں میں گھسنے نہ دے یا ان کی مخبری کرنے ہی پر تُل جائے تو قصہ ختم ہو سکتا ہے۔ مجاہدین اور دوسرے عوام کا تناسب ۱:۸ یا ۱:۹ کا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ قوت آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ تعداد براہِ راست خود جنگ کرے یا نہ کرے، اس کی ساری حمایت و ہمدردی مجاہدین آزادی کے ساتھ ہے۔ دیہی آبادی میں معمول یہ ہے کہ مجاہدین جہاں جائیں ان کو پناہ دینا اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا یا ان کی راہنمائی کرنا اور دشمن کے متعلق اطلاعات دینا سب کے لئے ایک لازمی امر ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مجاہدین ایک ماہ بھی نہ لڑ سکتے۔ دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ کابل حکومت کی افغانی فوج کے دستے اور بریگیڈ اور ڈویژن وقتاً فوقتاً مجاہدین سے جا ملتے ہیں پھر دنیا بھر نے دیکھ لیا کہ یونیورسٹیوں کے نوجوانوں اور شہروں کے دوکاندار مجاہدین سے گہری ہمدردی کا اظہار ہڑتالوں اور مظاہروں کی صورت میں کرتے رہے ہیں اور جانی اور مالی نقصان بھی اٹھاتے رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں کابل حکومت کے افسران اور ملازمین بھی چار و ناچار وقت گزار رہے ہیں۔ ورنہ ان کی دلی حمایت بھی مجاہدین ہی کے لئے ہے اور روسی تسلط سے بیزار ہیں۔ اس کے شواہد ملاحظہ ہوں۔

۱۔ افغانستان کی قومی ائیر لائن ائیریانا کا چیف پائلٹ مسٹر حبیب اللہ بلخی ۲۵۰ ساتھیوں کے ہمراہ ایک خفیہ اسکیم کے تحت (جو مئی سے شروع کی گئی تھی) ۱۴ ستمبر کو روس کے تسلط سے نکل بھاگا اور فرینکفرٹ پہنچ کر ان لوگوں نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ افغانستان میں روس کے فوجی اقدام کے خلاف مزاحمت بڑھ رہی ہے اور یہ کہ افغان مجاہدین آزادی کیلئے آخری سانس تک لڑیں گے۔

۲۔ کابل حکومت کی طرف سے محمد اختر پکتیوال کو یونیسکو کے ۲۱ ویں اجلاس میں نمائندگی کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور اس اجلاس میں میکبرائیڈ رپورٹ بہ سلسلہ آزادی مخابرات پر غور ہونا تھا۔ ملک سے باہر جا کر محمد اختر نے کابل حکومت سے تعلق ختم کرنے کا اعلان کیا اور مغربی جرمنی میں سیاسی پناہ طلب کی۔ محمد اختر نے پریس انٹرویو میں بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ کسی محبِ وطن کے لئے افغانستان کی صورتِ حالات قابلِ قبول نہیں۔ ۹۰ فیصد افغانی روس کی پٹھو حکومت کے خلاف ہیں۔ کابل کے مرکزی جیل خانے میں ۶ ہزار دانشور، طلبہ، اہلِ علم اور تاجر موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ اختر صاحب کا اندازہ ہے کہ روس کے آنے کے بعد سے اب تک کل دس لاکھ افراد کا خاتمہ کیا جا چکا ہے۔ ہمراختر نے بڑے کرب سے بتایا کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور رفیقوں کو فوجی دستوں کے ہاتھوں گولیاں کھاتے دیکھا ہے۔

۳۔ ابھی ابھی کابل حکومت کی وزارتِ خارجہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر مسٹر غفور زئی کو غیر جانبدار تحریک کے اجلاس میں شرکت کے لئے حکومت کے نمائندے کے طور پر یورپ بھیجا گیا تھا۔ موصوف نے بجائے حکومت کی نمائندگی کے بھرے اجلاس میں اپنی قوم کی مظلومیت کا دکھڑا رو دیا۔ روسی جارحیت کا پول کھولا، اجلاس ہی میں حکومت سے استعفیٰ دینے کا اعلان کیا اور سیاسی پناہ حاصل کر لی۔

۴۔ اس سے پہلے متعدد کھلاڑیوں کا ایک گروہ کابل حکومت کے پنجرے سے نکل بھاگا۔

اس قسم کے شواہد کسی بھی ملک کی حقیقی صورتِ حالات کو دنیا بھر کے سامنے واضح کر دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ لاکھوں افراد کا اجڑ پجڑ کر اور زخمی ہو ہو کر کسی ملک سے نکل کھڑے ہونا اس امر کا اشتہار و اعلان ہوتا ہے کہ وہاں جبر و ظلم کی تلوار چل رہی ہے۔ کیونکہ ترکِ وطن، حالات کے بدترین صورت اختیار کرنے سے پہلے نہیں ہوتا۔ جہاں تک ممکن ہو، انسان گھر اور وطن میں رہ کر ظلم سہتا رہتا ہے۔ ہجرت تو آخری چارہ کار ہے ظلم اور درندگی کے خلاف عملی صدائے احتجاج۔ اس سے بڑا پروٹسٹ کیا ہوگا کہ ۱۲ لاکھ مہاجرین پاکستان میں اور ۲ لاکھ ایران میں اور ۱۲ لاکھ دوسرے ممالک میں مصائب بھگت رہے ہیں۔ روسی جارحیت کے خلاف یہ ایسا خاموش مظاہرہ ہے کہ کوئی پروپیگنڈہ اور ڈپلومیٹک بیان بازی اس کا توڑ کرنے کے قابل نہیں۔

سوال یہ ہے کہ افغانستان کے جن عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کی حفاظت کے لئے کابل کی کمیونسٹ حکومت نے روس سے فوجی مدد مانگی ہے۔ آخر ان کے دستے کیوں مہاجرین کے خلاف جا بجا لڑتے دکھائی نہیں دیتے۔ سرکاری فوج کی کم ہوتی ہوئی تعداد بھی وفادار اور قابلِ اعتماد نہیں رہی۔ یہاں تک کہ ببرک کارمل صاحب نے جبری بھرتی کی، اسکیمیں بھی چلائیں اور فوجی ملازمت کے لئے حدِ عمر، حدِ تعلیم اور دیگر شرائط نرم کر دیں۔ نیز تنخواہوں اور مفادات کا پیمانہ بڑھا دیا۔ پھر بھی فوج کی وہ تعداد پوری نہیں ہو رہی جو روسی فوج کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داخل ہونے کے وقت تھی۔ آخر وہ کابلی عوام ہیں کہاں جن کی حفاظت کے نام پر سارا خون خرابہ ہو رہا ہے۔ روس کے سامراجی پروپیگنڈے کے بہترین ماہرین بھی ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے۔

روس کی ایک ہی رٹ ہے ـــــ بیرونی مداخلت!

یعنی اندر تو سب خیر ہے، عوام روسی جارحیت کے تحت ہر دن کو عید اور ہر شب کو شب برات جانتے ہیں۔ سارا قضیہ تو ایران، چین اور پاکستان کی مداخلت کی وجہ سے ہے۔

اچھا تو فرمایئے کہ ایران نے کتنے بریگیڈ داخل کیے ہیں۔ پاکستان کے کتنے آرمرڈ ڈویژن افغانستان میں لڑ رہے ہیں۔ اور چین سے کس تعداد میں گوریلا فورس وہاں پہنچ گئی ہے۔ کیا مداخلت کار غیر ملکی فوجیوں کی تعداد ۸۰ لاکھ سے زیادہ ہے اور سامانِ جنگ روس سے زیادہ جدید اور بھاری؟ ان مداخلت کاروں کو آپ ختم کیوں نہیں کر سکے؟ ان کے راستوں کی ناکہ بندی کیوں نہ ہو سکی، دیدبانی کا انتظام کیوں نہیں، ان کی کتنی نعشوں اور کتنے قیدیوں کی تصاویر آپ عالمی پریس کے سامنے لا سکے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ نہیں تو فرمایئے نا کہ آیا ان ممالک سے جنات کی فوجیں بھیجی جاتی ہیں؟ اور ذرا اس اسلحہ کی بھی نمائش لگا کر عالمی پریس اور فوٹو گرافروں کو ملاحظہ کرا دیجیے، جو بیرونی مداخلت کاروں سے چھینا گیا ہو؟ کتنا اس میں سے چین کا ساختہ ہے، کتنے پر پاکستانی مہر ہے؟ اور کتنا کسی دوسرے ملک کا ہے؟

پاکستان نے مختلف بین الاقوامی اکابر اور وفود کو مہاجر کیمپوں کا تفصیلی معائنہ کرا کے دکھا دیا ہے کہ کہیں نہ تو کوئی تربیتی کیمپ ہے، نہ سامانِ جنگ کا ڈپو، نہ کوئی بھرتی کا دفتر، مگر روسی پروپیگنڈے کی ایک ہی رٹ چلی جا رہی ہے۔

ایک دعویٰ روس کا ہے، دوسرا افغانستان کے مجاہدین کا ـــــ دیکھنا یہ ہے کہ ساری دنیا جن کی نگاہیں ایک سال سے افغانستان پر مرتکز ہیں، وہ دونوں میں سے کس کے ساتھ ہے۔ ایک پلیٹ فارم اقوام متحدہ کا ہے، دوسرا غیر جانبدار ممالک کا، اور تیسرا اسلامی ممالک کا۔ ان تینوں کی بھاری اکثریت نے روس کے دعووں کو باطل گردانا ہے اور افغانستان کے مجاہدین کے دعوے کی توثیق کی ہے۔ عالمی رائے کی عدالت نے جب ایک واضح فیصلہ دے دیا ہے تو پھر ساری نکتہ آفرینیاں بے کار ہیں۔ روس کو سیدھی طرح سے اپنی جارحانہ کارروائی کے جرم کا اعتراف کرنا چاہیے۔ فوجیں فوری طور پر واپس بلا لینی چاہئیں اور باشندگانِ افغانستان کو کھلا موقع دینا چاہیے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے جیسی اور جس کی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہتے ہوں قائم کرلیں۔

اس وقت روس افغانستان کی چٹانوں میں پھنسی ہوئی اپنی دُم کو صحیح سلامت نکال لے جانے کے لیے کسی ایسی حکومت کے قیام کا راستہ نکالنا چاہتا ہے جو اس کی کٹھ پتلی بن کر بھی رہے اور افغان عوام کو ٹھنڈا کرنے کا کامیاب ذریعہ بھی ثابت ہو۔ دوسری طرف مغربی ممالک کو بھی اپنے مفاد کے لیے جس طرح روس کا افغانستان پر قبضہ گوارا نہیں اسی طرح یہ بھی پسند نہیں کہ افغانستان کی تحریکِ جہاد کی فراہم کردہ قیادت کے ہاتھوں اسلامی حکومت کی کوئی شکل قائم ہو۔ مغرب والوں کو اگر دو ملاؤں میں سے ایک کے انتخاب کے سوا کوئی اور راستہ نہ ملے تو وہ کسی طرح کی اسلامی حکومت کے مقابلے میں لادین کمیونسٹ حکومت کو ترجیح دیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک طرف مغربی طاقتیں یہ چاہتی ہیں کہ مجاہدین روس کی زیادہ سے زیادہ مزاحمت کریں اور اس کے قدم نہ ٹکنے دیں، اور ان کے ہاتھوں سے روس کی قوت اور ساکھ کو نقصان پہنچے۔ اپنی اس خواہش کے تحت وہ عالمی رائے عام کو مخالفِ روس فضا کو مؤثر بنائے رکھنے کے لیے پروپیگنڈے کی توپیں استعمال کر رہے ہیں، نیز مہاجرین کو یورپ، برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے پاکستان میں کچھ نہ کچھ امداد ملتی رہتی ہے۔

دوسری طرف ان کی چھپی ہوئی خواہش یہ ہے کہ تحفظ ایمان و آزادی کے جس معرکے میں والہانہ طور سے قربانیاں دے رہے ہیں، اس کی وجہ سے ان کی افرادی قوت زیادہ سے زیادہ تباہ ہو جائے، نیز ان کی رہی سہی قوت کو افتراق انگیزی سے اتنا نقصان پہنچا دیا جائے کہ وہ بے دم ہو کر ایک ایسے درمیانی حل کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں جس پر روس اور مغرب دونوں بھی راضی ہوں۔ اس طرح تین مقاصد حاصل ہوتے ہیں:۔

اولاً روس کی واپسی، ثانیاً مہاجرین افغانستان کی قوت کی کمی، ثالثاً غلبۂ اسلام کے خطرے کا انسداد۔

یہی باعث ہے کہ وہ عملاً مہاجرین کی کوئی ٹھوس امداد نہیں کر سکے۔ انہوں نے روس کے خلاف غلّے، مصنوعات اور ٹیکنالوجی کی بہم رسانی پر جو جزوی پابندیاں لگائی تھیں، ان کو بھی نبھایا نہ جا سکا۔ بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ ہماری مغربی سرمائے، مغربی غلّے، مغربی مصنوعات اور مغربی ٹیکنالوجی کا بہت بڑا حصہ روسی جارحیت میں شامل ہے اور درحقیقت روس کے ساتھ بالواسطہ طور پر مغربی قومیں بھی افغانیوں کے خلاف ہونے والی جنگ میں حصہ دار رہیں۔ افغانیوں کے لیے ان کا جذبۂ ہمدردی اتنا کمزور تھا کہ اولمپک گیمز میں عدم شرکت کے جس علامتی اظہارِ بیزاری کا فیصلہ کیا گیا تھا، وہ بھی ناکام ہو گیا۔ ان باتوں سے اس نیم دلی کا اندازہ ہو سکتا ہے جو مغرب والوں کی ہمدردیٔ افغانستان میں پائی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغرب والے ایک تیسرا کام بھی مغالطہ انداز سے کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ اُن کی طرف سے یہ پروپیگنڈا بھی ہے کہ تحریک مجاہدین کے پاس کوئی قیادت نہیں ہے جو کامیابی کی صورت میں ملک کا نظام چلا سکے اور ہو بھی تو مجاہدین ایک شدید ترین مخالف قوت کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دینے کے عالم میں بھی پوری طرح متحد نہیں ہیں، وہ اگر موجودہ آزمائش میں سے کامیاب ہو کر نکلیں بھی تو آپس میں دست و گریباں ہو جائیں گے، لہٰذا ملک کی تقدیر سنور نہ سکے گی۔ اس سے آگے یہ حرکت بھی کی جا رہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی فرضی تنظیموں کے نام اُچھالے جاتے ہیں۔ اور اُن کے حوالے سے ناقابلِ حل اختلافات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اِس دھیمے پروپیگنڈے کو ایران کے داخلی احوال کی وجہ سے بھی تقویت مل رہی ہے۔

خیال رہے کہ عالمی پروپیگنڈے کی مغربی مشینری میں یہود کی قوت کو بڑا دخل ہے جو ہر خطے کے مسلمانوں کے خلاف فضا بناتے ہیں بلکہ خود مسلمانوں میں افتراق پھیلانے کے حربوں سے کام لیتے ہیں۔

آئیے سوچیں کہ مستقبل کی حکومت کے لیے کیا امکانات ہیں۔

ایک بات روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے وہ یہ کہ افغانستان ایک مجاہدانہ تحریک اور اس کے عوام کی بے پناہ قربانیوں کے دَور سے گذرنے کے بعد اب ویسا افغانستان نہیں رہا کہ اُس پر قرونِ وسطیٰ کے طرز کی کوئی بادشاہت چل سکے۔ ظاہر شاہ بھی اس حقیقت کو سمجھتا ہے اور دونوں طرف سے اُسے ٹٹولنے والوں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ افغانستان کے تخت و تاج کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہے۔ مغربی ممالک اب جس بات کے درپے ہیں وہ یہ ہے کہ ظاہر شاہ یا پھر داؤد کے زمانے کے کچھ وزراء و سفراء کو بعض مذہبی شخصیتوں کے سہارے کھڑا کیا جائے اور ایک ایسی حکومت قائم کر دی جائے جو روس کے لیے بھی قابلِ قبول ہو۔

پردہ ہائے راز سے چھن چھنا کر جن لوگوں کے چہروں کی دھندلی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ان میں سے ایک سردار ولی ہیں جو اس معاملے میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ دوسری شخصیت سابق وزیر اعظم ڈاکٹر محمد یوسف کی ہے جو ختم شدہ شاہی خاندان کے ایک مہرے کی حیثیت سے جوڑ توڑ کی مہم میں لگے ہیں۔

لیکن ایسے تمام جوڑ توڑ ناکام ہوں گے۔ کیونکہ تحریک مجاہدین کی اپنی قیادت اُبھر آئی ہے۔ اور تمام افغان جہاد کے لیڈروں کے گرد جمع ہیں۔ نیز یہ بات عوام یعنی مجاہدین اور اُن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاونین کو بھی معلوم ہے اور ان کے لیڈر بھی اس کا شعور رکھتے ہیں کہ اتنی بھاری قربانیاں دینے کے بعد اگر اسلامی نظام کے قیام کو مؤخر کر کے کسی سیکولر حکمران کو قبول کر لیا گیا تو پھر حالات کے بگاڑ پر دوبارہ اس درجے کی تحریک نہ اٹھائی جا سکے گی۔ وہ انسانی خون کے قطروں اور انسانی سروں اور لاشوں کی بوئی ہوئی فصل کو کسی غیر اسلامی قوت کے حوالے نہیں کر سکتے۔

دراصل افغانستان میں روس کی مزاحمت کوئی پولیٹیکل پارٹی نہیں کر رہی یا پارٹیوں کا کوئی متحدہ انتخابی محاذ مہم نہیں چلا رہا کہ سودا بازی اور جوڑ توڑ سے کام بن جائے۔ وہاں تو گاؤں گاؤں قریے قریے میں تحریک جہاد چل رہی ہے۔ اب جو اصحاب اس تحریک کے لیڈر ہیں، افغانستان کا مستقبل انہی سے وابستہ ہے۔ باہر کا کوئی آدمی عوام اور مجاہدین کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

مختلف قبائلی حلقوں میں سب سے زیادہ اثر حزب اسلامی افغانستان، جمعیت اسلامی افغانستان اور حرکتِ اسلامی افغانستان کو حاصل ہے۔ ایک اہم قوت پروفیسر عبدالرسول سیاف جیسی محترم شخصیت کا قائم کردہ "اتحادِ اسلامی برائے آزادئ افغانستان" ہے۔ ان تنظیموں کے ممتاز قائدین، پروفیسر سیاف، انجینئر گلبدین حکمت یار، برہان الدین ربانی، محمد یونس خالص، مولوی محمد نبی، مولوی نصر اللہ ہیں۔ حالات کے دھارے کو یہ حضرات جدھر چاہیں، موڑ سکتے ہیں۔ ان میں سے بھی ہمارا اندازہ یہ ہے کہ جس امر پر پروفیسر سیاف، انجینئر گلبدین، حکمت یار اور برہان الدین ربانی متفق ہو جائیں۔ دوسرے تمام لیڈر اور گروہ ان کا ساتھ دیں گے ۔۔ ماسوا کسی ایسے فرد یا گروہ کے جو کسی بیرونی قوت کے زیر اثر ہو۔

اہل مغرب کی پروپیگنڈا مشینری تحریک مجاہدین کے ان لیڈروں کی قیادت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اور نہ ان کو ویسی اہمیت دی جاتی ہے جس کے یہ مستحق ہیں۔ انہیں تسلیم کرنے سے مغربی ذہن اس لیے بھی کسمساتا ہے کہ ان کی قیادت ماننے کے بعد کچھ خاص ذمہ داریاں عاید ہو جاتی ہیں، نیز تحریک مجاہدین کو ایک اتفاقی، جذباتی، جنونی، منفی اور دفاعی حرکت سے کچھ زیادہ ماننا پڑتا ہے۔

فی الحقیقت افغان عوام اور خاص طور پر ان کے لیڈروں کے لیے بہت بڑے امتحان کا یہ موقع ہے جس میں اگر خدانخواستہ وہ فیل ہو گئے، تو آج قربانیوں کے نتیجے میں جو امکانات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن کو مل رہے ہیں، وہ دوبارہ مدتوں تک نہ ملیں گے، بلکہ آگے چل کر جو روس نواز حکومت قائم ہو گی وہ آج کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا اُن سے خوفناک انتقام لے گی۔ اگر خدا ایک ہے جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں، اگر قرآن اور قبلہ ایک ہے تو اُمتِ محمدیہ جس خطے میں بھی ہو، ایک ہے۔ قبیلے اور برادریاں اور علاقے اور زبانیں اور رنگ یہ سب کچھ وحدت کے دائرے کے اندر آتا ہے۔ جو لوگ اسلام کا نام لے کر جدوجہد کر رہے ہوں انہیں اسلام کے تقاضائے وحدت کو پورا کرنا چاہیے، اور فیصلے کا وقت آنے سے پہلے پورا کرنا چاہیے۔

ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ تمام تنظیمی گروہوں کے لیڈر مل کر مستقبل کی حکومت کا ایک مختصر (دس بارہ نکاتی) منشور مرتب کریں۔ اور اس پر سب دستخط کر کے اتحادِ کامل کا مظاہرہ کریں، بلکہ تحریکِ جہاد کو چلانے کے لیے بھی ایک مجلسِ قیادت کا واحد امیر مقرر کر کے سو فیصدی انقیاد و اطاعت کا ایسا نمونہ پیش کر دیں کہ مخالفانہ پروپیگنڈے کی کمر ٹوٹ جائے اور افتراق کی اُمید لگانے والے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائیں۔ جانیں قربان کر دینے سے مشکل کام اپنی اپنی لیڈری اور اپنے اپنے مفاد اور اپنے اپنے اختلافات کو ختم کر دینا ہے، مگر اس کے لیے عزم راسخ ہو تو یہ بالکل آسان بھی ہے۔

وحدت و اتحاد کے معنی یہ بھی نہیں کہ نظریاتی اور مقصدی طور پر تضاد و اختلاف رکھنے والے اشخاص اور گروہوں کو بھی کسی نہ کسی طرح گھسیٹ کر اپنی صفوں میں لا کھڑا کیا جائے، جن لوگوں کے دل و دماغ اُلٹے ہوں، وہ کسی مقصد کے علمبرداروں کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ہر اہم موڑ پر وہ مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں۔ سو نظریہ و مقصد کے لحاظ سے جن کا مزاج دوسرا ہو، اُن کو الگ ہی رہنے دیا جائے، ایسے لوگ اور کامل اتحاد قائم ہونے میں رخنہ اندازی کرنے والے تخریبی مزاج کے عناصر عوام کے سامنے از خود بے نقاب ہو جائیں گے۔ اور اُن کی کوئی مغالطہ انگیزی چل نہ سکے گی۔

بہر حال اصل دارومدار تحریکِ مجاہدین کے اکابر پر ہے کہ وہ اس تحریک کی قربانیوں کے نتیجے میں اسلامی نظام حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ان قربانیوں کو رائیگاں جانے دینے کا سبب بنتے ہیں۔

ریچھ اب کمبل سے اپنے آپ کو چھڑانا چاہتا ہے، مگر کمبل چھوڑتا نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ روس قضیے کے "سیاسی حل" کی بڑی اُلٹی صورت سامنے رکھتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ کان کو ہاتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی لگائیں اور لگائیں بھی گردن کے پیچھے سے ہاتھ کو گھما کر۔

اس کا مطالبہ یہ ہے کہ متصلہ ممالک یعنی پاکستان اور ایران (جنہیں وہ افغانستان میں مداخلت کا مجرم گردانتا ہے) کارمل حکومت سے بات چیت کریں۔ یہ مطالبہ اس لئے بے تکا ہے کہ کارمل حکومت تو صریحاً پٹھو حکومت ہے۔ روس کی بنائی ہوئی حکومت، روس کا بٹھایا ہوا حکمران، روس کے ماہرین کے زیر اثر ساری انتظامیہ، روس کی فوجی عملداری، روس کی بنائی ہوئی داخلہ اور خارجہ پالیسیاں اور افغان عوام کی جانوں، بستیوں، کھیتیوں اور عزتوں کی تباہی روس کے اشارۂ ابرو سے، پھر آخر روس اپنی اس تھیٹری حکومت کی ذمہ داری خود کیوں نہیں لیتا۔ وہ خود براہ راست بات چیت کرے۔ خود پاکستانی اور ایرانی حکمرانوں کے مشورے سے سیاسی حل نکالے۔ ورنہ پاکستان اور ایران بھاری روسی فوج کی موجودگی میں زیر جنگ اور زیر تباہی مملکت افغانستان کے بارے میں ببرک کارمل کی پٹھو حکومت سے بات کر کے اسے سندِ جواز کیسے دیں۔ اس نکتے کا بھی تو حل ہونا چاہیئے۔

ببرک کارمل کو الگ چھوڑ کر بین الاقوامی سطح کا ایک غیر جانبدار کمیشن مقرر کیا جاسکتا ہے، کوئی مختصر ثالثی کمیٹی اقوام متحدہ یا غیر جانبدار ملکوں کی طرف سے مامور کی جاسکتی ہے۔ ضرورت ہو تو ببرک کارمل صاحب کی نمائندگی بھارت کی اندرا کرسکتی ہیں۔ غرضیکہ کئی صورتیں سوچی جاسکتی ہیں۔ اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس نے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس کو روس سیاسی حل کا ذریعہ بنا سکتا تھا۔ آخر ببرک کارمل کا حوالہ کیوں ضروری ہے۔ ببرک کارمل اور ان کی حکومت کو مجاہدین افغانستان کسی صورت تسلیم یا قبول نہیں کر سکتے۔ پھر کسی ایسے حل سے کیا حاصل جو قضیے کے ایک بڑے فریق —— بلکہ سب سے بڑے فریق —— کے لئے قابلِ قبول نہ ہو۔

پیشِ نظر جھگڑے میں اس مغربی ضرب المثل کو داخل نہ کیجئے گا کہ "مجھے پیار کرنا ہو تو میرے کتے سے بھی پیار کرو"۔

© rasailojaraid.com